3

اپنی اولادیں خدمت دین کے لئے خدا کے سپرد کر دو

(فرمودہ 19 جنوری 1945ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"میں نے گزشتہ خطبہ جمعہ میں اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ سیاسی حالات کے لحاظ سے یہ وقت ایسا ہے کہ ہندوستان کی تمام سیاسی پارٹیوں کو بھی آپس میں صلح کر لینی چاہیے۔ اور ہندوستان اور انگلستان کو بھی باہمی سمجھوتہ کر لینا چاہیے۔ اور میں نے بتایا تھا کہ ہماری جماعت کو چونکہ سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں اس لئے جہاں میں یہ مشورہ دیتا ہوں کہ ہندوستان کی سیاسی پارٹیاں آپس میں سمجھوتہ کرنے کی کوئی صورت نکالیں وہاں میں ان سیاسی پارٹیوں سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ ہماری جماعت کو وہ سیاسیات سے الگ رہنے دیں۔ کیونکہ ہمارا کام مذہبی ہے اور ہم اپنی زندگیاں اس مطمح نظر کے لئے وقف کر چکے ہیں جو مطمح نظر ہمارے ایمان اور ہمارے یقین کے مطابق خدا تعالیٰ نے ہمارے سامنے رکھا ہے۔ دشمن ہمارے عقیدہ اور ہمارے خیال کو تسلیم کرے یا نہ کرے، لوگ ہماری باتوں کو مانیں یا نہ مانیں بہرحال اس بات کو تو وہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہر انسان اپنے عقیدہ کے مطابق عمل کرتا ہے۔ پس جبکہ ہمارا عقیدہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی روحانی اور اخلاقی زندگی کا کام ہمارے سپرد کیا ہے تو سیاسی پارٹیوں کو ہماری جماعت پر زور نہیں ڈالنا چاہیے کہ ہم اپنے اس مقصد کو بُھلا کر جو خدا تعالیٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے اپنی توجہ کسی اَور طرف پھیر دیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہماری جماعت کے لوگ ملازمتیں بھی کرتے ہیں، ہماری جماعت کے لوگ تجارتیں بھی کرتے ہیں، ہماری جماعت لوگ صنعت و حرفت بھی کرتے ہیں، ہماری جماعت کے لوگ زمینداریاں بھی کرتے ہیں اور ہماری جماعت کے لوگ مزدوریاں بھی کرتے ہیں۔ سب کچھ کرتے ہیں لیکن دنیا میں اگر ایک کام مجبوری کے طور پر اور گزارے کے لئے کیا جائے تو اس کے یہ معنے نہیں کہ چونکہ اصل مقصد کے سوا تم اپنے گزارے کے لئے کام کرتے ہو اس لئے کوئی اَور کام بھی کرو۔ انسان صرف ایک حد تک ہی اپنے اوقات اور اپنی قوتیں خرچ کر سکتا ہے۔ ایک شخص اگر اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے گزارہ کے لئے اپنے اوقات کا ایک حصہ دنیا کمانے پر صَرف کرتا ہے تو اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ دنیا کے اَور بھی تمام کام کر سکتا ہے۔ یہ بات ہی غلط ہے کہ ہر انسان، ہر ڈاکٹر، ہر طبیب، ہر صناع، ہر تاجر، ہر زمیندار اور ہر مزدور اپنے گزارہ کے لئے کام کرنے کے علاوہ دوسرے سارے کام بھی کر سکتا ہے۔ پس کسی ایک کام کو معیشت کمانے کے لئے اختیار کرنا اَور بات ہے لیکن یہ کہ ہر شخص دنیا کے سارے کاموں میں حصہ لے یہ بالکل اَور بات ہے۔

پس ہماری جماعت کے سامنے جو مقصد ہے اس کو پورا کرنے کے لئے اسے سیاسیات اور اس قسم کے دوسرے تمام کاموں سے الگ رہنا چاہیے۔ جو کام انسان کے اوقات کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور اسے اہم کام کے قابل نہیں رہنے دیتے۔ سیاسی لوگ سیاسیات میں ہی حصہ لے سکتے ہیں، تعلیم والے تعلیم دینے پر ہی اپنے اوقات صَرف کر سکتے ہیں۔ اور پیشہ ور اپنے پیشہ میں ہی وقت لگا سکتے ہیں اور کسی دوسرے کام کے لئے وقت نکالنا ان کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔ اگر ممکن ہو سکتا تو ہماری جماعت کو پورے طور پر دین کے کاموں میں لگ جانا چاہیے تھا۔ لیکن چونکہ یہ ناممکن ہے اور ہمارے پاس ایسے ذرائع نہیں کہ ہر انسان کے کھانے پینے اور اس کے گزارہ کا ہم انتظام کر سکیں اور اپنی اس کمزوری کا ہمیں اقرار ہے کہ ہماری جماعت میں ابھی وہ ایمان پیدا نہیں ہوا کہ ہر شخص کھانے پینے اور اپنی دوسری دنیوی ضروریات سے بے نیاز ہو کر دین کے کاموں میں لگ جائے۔ اس لئے مجبوراً ہماری جماعت کے لوگوں کو کچھ اس کمزوری کی وجہ سے اور کچھ خدائی قانون کے ماتحت اپنے گزارہ کے لئے کام کرنا پڑتا ہے۔

لیکن اگر اس کے علاوہ وہ سارے کے سارے اَور کاموں میں بھی لگ جائیں تو اتنی وسیع دنیا میں تبلیغ کا کام کس طرح ہو سکے گا۔ اگر ہم ایمان میں پختہ ہیں، اگر ہمارے اندر یقین اور وثوق ہے، اگر ہم نے دین کا کام کرنا ہے جس کا ہم منہ سے دعویٰ کرتے ہیں تو لازمی بات ہے کہ جب تک ہم اپنے اوقات دین کی خدمت کے لئے نہ لگائیں گے اُس وقت تک ہمارے منہ کے کہنے سے کچھ نہیں بن سکتا اور ہم اس کام سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

کسی شخص کا ہماری جماعت سے یہ خواہش کرنا کہ ہم سیاسیات میں دخل دیں اور کسی احمدی کا یہ خیال کرنا کہ علاوہ اپنی روزی کمانے کے اور دین کا کام کرنے کے وہ سیاسیات اور دوسرے کاموں کے لئے بھی وقت نکال سکتا ہے یہ بالکل غلط ہے۔ اگر واقع میں ایک احمدی سنجیدگی سے غور کرے تو اس کو اپنے تمام اوقات ضرورت کے مطابق اپنی روزی کمانے کے لئے اور باقی دین کے کاموں کے لئے صَرف کرنے چاہئیں۔ آج کل تو کام اتنے ہیں کہ انسان اپنے دنیوی کاموں سے ہی فارغ نہیں ہوتا اور اسے اپنے کام میں اتنی محنت کرنی پڑتی ہے کہ اس کی جان نکل رہی ہوتی ہے۔ پہلے زمانہ میں اتنی محنت نہیں کرنی پڑتی تھی۔ لیکن اِس زمانہ میں ہر کام میں مقابلہ ہے۔ پہلے زمانہ میں دکاندار دکان پر بیٹھے مکھیاں مارتے تھے لیکن اِس زمانہ میں دکاندار کو اتنی محنت سے کام کرنا پڑتا ہے کہ شام کو جب وہ اپنے کام سے واپس آتا ہے تو تھک کر نڈھال ہو چکا ہوتا ہے۔ اسی طرح پہلے زمانہ میں ملازمین دفتروں میں بیٹھے قلمیں گھڑتے رہتے تھے لیکن اب یہ بات نہیں بلکہ اب ایک ملازم کو مسلسل چھ سات گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے اور جب وہ واپس آتا ہے تو کام کی وجہ سے اتنا چُور ہو چکا ہوتا ہے کہ اسے کچھ دیر آرام کی ضرورت ہوتی ہے اور کچھ وقت اسے گھر کے لیے سَودا سلف لانے پر بھی صَرف کرنا پڑتا ہے۔ پھر اگر دین کے لئے کوئی کام کرنے کی بجائے وہ کسی اَور کام کے لئے چلا جاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو احمدی کہتا کیوں ہے۔ آخر اس نے دین کو کیا فائدہ پہنچایا ہے کہ وہ اپنے آپ کو احمدی کہتا ہے۔ اگر یہ نوکری کرتا ہے تو اس کی طاقت تو اس کی نوکری نے سلب کر لی، اگر یہ پیشہ ور ہے تو اس کی طاقت تو اس کے پیشہ نے سلب کر لی، اگر یہ مزدور ہے تو اس کی طاقت تو اس کی مزدوری نے سلب کر لی اور اگر یہ زمیندار ہے تو اس کی طاقت تو اس کی زمینداری اور اس کے ہل چلانے نے سلب کر لی۔

اور یہ اپنے کام سے چُور ہو کر تھکا ماندہ گھر آتا ہے۔ اب اگر کھانے پینے، آرام کرنے اور سونے کے بعد اس کے پاس گھنٹہ دو گھنٹے نہایت قلیل وقت بچتا ہے جس میں یہ دین کا کوئی کام کر سکے۔ لیکن یہ اُس وقت کو بھی کسی اَور کام میں صَرف کر دیتا ہے تو پھر اسکا اپنے آپ کو احمدی کہنا کیا معنے رکھتا ہے۔ جب اس کے اوقات میں خدا تعالیٰ کا کوئی خانہ خالی ہی نہیں تو پھر اس کو خدا کے سپاہیوں میں داخل ہونے کی ضرورت کیا ہے۔

میں دیکھتا ہوں کہ احمدیوں میں ابھی کئی ہیں جن کا ایمان راسخ نہیں کہ وہ اپنے اوقات دین کے لئے صَرف کریں۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ آپ نے دین کا کیا کام کیا ہے تو ان میں سے بمشکل پانچ فیصدی یا دو فیصدی ایسے ہوں گے جو یہ کہیں کہ ہم نے دین کا فلاں کام کیا ہے۔ باقی سارے کے سارے ایسے ہوں گے جو یہ کہیں گے کہ جی فرصت ہی نہیں ملتی کہ کوئی کام کریں۔ پس اول تو یہی حالت نہایت خطرناک ہے کہ جماعت کے اکثر افراد ایسے ہیں جو دین کی خدمت کے لئے وقت نہیں نکال رہے۔ لیکن جو اپنا کچھ وقت دین کی خدمت کے لئے نکال رہے ہیں وہ بھی اگر اپنی توجہ اَور کاموں کی طرف پھیر دیں تو اس کے یہ معنے ہونگے کہ جماعت میں دین کا کام کرنے والا کوئی نہ رہے اور اس کام کے لئے صرف مبلغ رہ جائیں۔ اور جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ دین کا کام صرف مبلغوں کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے اُس کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ مبلغ تبلیغ نہیں کرتا تبلیغ کے لئے رستہ صاف کرتا ہے۔ مبلغ تبلیغ نہیں کرتا بلکہ تبلیغ کے لئے مصالحہ بہم پہنچاتا ہے۔ تبلیغ کرنے والا جماعت کا ہر فرد ہے۔ رشتہ دار اپنے رشتہ دار کو تبلیغ کر سکتا ہے۔ ہمسایہ اپنے ہمسایہ کو تبلیغ کر سکتا ہے۔ دوست اپنے دوست کو تبلیغ کر سکتا ہے لیکن ایک اجنبی دوسرے اجنبی کو کیا تبلیغ کرے گا۔

میں نے بارہا جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے پاس جا کر بیٹھ جائیں اور ان سے جا کر کہیں کہ ہم یہاں سے اُس وقت تک نہیں اٹھیں گے جب تک ہم آپ کو اپنی جماعت میں داخل نہ کر لیں اور آپ کو ہدایت نصیب نہ ہو جائے اور یا آپ ہم پر ثابت نہ کر دیں کہ ہم غلط راستہ پر جا رہے ہیں۔ اور وہ اپنے اوپر کھانا پینا حرام کر لیتے اور اپنے رشتہ داروں سے جا کر کہتے کہ یا ہم مر جائیں گے اور یا آپ کو ہدایت منوا کر رہیں گے۔ مگر

جماعت میں کتنے افراد ہیں جنہوں نے یہ کام کیا ہے؟ بہت ہی کم ہیں جنہوں نے اس طرف توجہ کی ہے۔ اگر وہ اس طرف توجہ کرتے اور اس طریق پر عمل کرتے تو بہت اچھے نتائج پیدا ہو سکتے تھے۔ آج ہی مجھے ایک احمدی کا خط آیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ آپ کی بات پر عمل کرتے ہوئے میں اپنے رشتہ داروں کے پاس چلا گیا جو دو میاں بیوی تھے۔ اور ان سے جا کر کہا کہ میں یہاں سے اُس وقت تک نہیں ہِلوں گا جب تک آپ کو ہدایت نہ منوالوں۔ اب میں یہاں سے تب جاؤں گا کہ یا تو آپ مجھ پر واضح کر دیں کہ میں غلط راستہ پر جا رہا ہوں یا پھر آپ میرے مذہب میں داخل ہو جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر دونوں نے تیسرے دن بیعت کا خط ارسال کر دیا۔ پس جب آپ لوگوں کے اندر سنجیدگی پائی جائے گی اور آپ کا رشتہ دار یہ سمجھے گا کہ آپ روحانی طور پر مرنے مارنے پر تُلے بیٹھے ہیں تو لازمی بات ہے کہ وہ آپ کی باتوں کو ہنسی مذاق میں ٹالنے کی بجائے ان پر سنجیدگی سے غور کرے گا۔ اب تو ایک شخص اپنے رشتہ دار کو تبلیغ کرتا ہے تو تھوڑی دیر اس کی باتیں سننے کے بعد اسے کہہ دیتا ہے کہ اچھا جی جاؤ۔ آپ کے لئے آپ کا مذہب اچھا ہے اور ہمارے لئے ہمارا مذہب اچھا ہے۔ اور اس کے بعد یہ شخص واپس آکر اپنے گھر میں بیٹھ جاتا ہے۔ لیکن اگر یہ اپنے رشتہ داروں کے پاس جا کر بیٹھ جاتا اور انہیں کہتا کہ میں کس طرح برداشت کرلوں کہ آپ میری آنکھوں کے سامنے جہنم میں جا رہے ہوں اور میں آپ کو بچانے کی کوشش نہ کروں۔ یا میں غلط راستہ پر جا رہا ہوں اور آپ مجھے بچانے کی کوشش نہ کریں۔ پس میرے ساتھ فیصلہ کرو تا کہ جو بھی صحیح راستہ ہے اسے دونوں مل کر اختیار کریں۔ اگر اس طرح کیا جاتا تو لازمی بات ہے کہ اس کے رشتہ دار اس کی باتوں پر سنجیدگی سے غور کرتے اور ان باتوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔ اور اس کے بعد یقینی بات ہے کہ انہیں ہدایت نصیب ہو جاتی۔

پس ابھی ہماری جماعت میں اس کام کے لئے بیداری پیدا نہیں ہوئی۔ اور اس بیداری پیدا نہ ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے پاس اتنے مبلغ نہیں جو جماعت کو بیدار کریں اور جو تبلیغ کے لئے نئے نئے رستے تلاش کریں۔ اس کے لئے میں نے جماعت کو توجہ دلائی تھی کہ ہر ایک جماعت اپنا ایک ایک آدمی قرآن شریف پڑھنے کے لئے یہاں بھیجے۔

مگر مجھے افسوس ہے کہ جماعت نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ حقیقی تبلیغ تو قرآن مجید جاننے سے ہی ہو سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا [1]۔ یعنی عظیم الشان جہاد قرآن مجید کے ذریعہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ اگر کسی شخص کو معلوم ہی نہیں کہ قرآن مجید میں کیا لکھا ہے تو وہ تبلیغ کیا کرے گا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہماری جماعت میں قرآن مجید سیکھنے کا شوق ہے۔ اس دفعہ جلسہ سالانہ کے موقع پر عورتوں میں تقریر کرتے وقت میں نے کہا کہ جو عورتیں قرآن مجید کا ترجمہ جانتی ہیں وہ کھڑی ہو جائیں تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ کتنی عورتیں ہیں جنہیں قرآن مجید کا ترجمہ آتا ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ ایک دو فیصدی عورتیں قرآن مجید کا ترجمہ جانتی ہوں گی۔ مگر میری حیرت کی حد نہ رہی کہ آٹھ دس فیصدی عورتیں کھڑی ہو گئیں جو قرآن مجید کا ترجمہ جانتی تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت میں قرآن مجید سیکھنے کی خواہش تو ہے مگر جب تک وہ خواہش عملی جامہ نہ پہن لے اُس وقت تک صحیح تبلیغ کس طرح ہو سکتی ہے اور اپنا ایمان کس طرح مضبوط ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید کے معنے ہیں ایمان۔ اور ایمان کے معنے ہیں قرآن مجید۔ بِسْمِ اللّٰهِ سے لے کر وَالنَّاسِ تک سارے قرآن میں ایمان کی تشریح ہے۔ اگر کسی شخص کو قرآن مجید کا پتہ ہی نہیں تو وہ کس طرح کہتا ہے کہ اس کے اندر ایمان پایا جاتا ہے۔ ایمان تو قرآن مجید کے مضمون کو ماننے کا نام ہے۔ اگر ایک شخص اپنے کسی دوست سے کہے کہ میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں تم وہ بات مان لو۔ اور وہ اس بات کو سُنے بغیر ہی کہہ دے کہ بہت اچھا میں نے تمہاری بات مان لی ہے تو وہ یقیناً معقول آدمی نہ کہلا سکے گا کیونکہ جب اُس نے اس کی بات کو سنا ہی نہیں کہ وہ ہے کیا تو پھر یہ ماننا کس چیز کو ہے۔ اِسی طرح اگر ایک شخص قرآن مجید کو پڑھتا نہیں، اس کے مضامین کو اپنے ذہن میں مستحضر نہیں کرتا اور ان پر غور نہیں کرتا تو پھر یہ ایمان کس چیز پر لاتا ہے۔ پس در حقیقت قرآن مجید کو ماننے کا نام ایمان ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر خدا تعالیٰ کی طرف سے جو وحی نازل ہوئی۔ اس کو ماننے کا نام ایمان ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے تو اس کے یہی معنے ہیں کہ جو باتیں خدا تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے کہیں اور ان کے متعلق جو تفصیلات رسول کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے بیان فرمائیں ان

سب باتوں کو ہم مانتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میں ان تمام باتوں کو مانتا ہوں لیکن وہ ان باتوں کو پڑھتا نہیں اور اسے معلوم نہیں کہ وہ کیا باتیں ہیں جنہیں وہ مانتا ہے۔

پس ہماری جماعت اگر صحیح معنوں میں تبلیغ کرنا چاہتی ہے، اگر ہماری جماعت اپنے نفس کی اصلاح کرنا چاہتی ہے اور اگر ہماری جماعت اپنی روحانیت کو درست رکھنا چاہتی ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کا قریب ترین مقصد یہ ہو کہ سو فیصدی احمدی قرآن مجید جانتے ہوں۔ جب ہم اس مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے تب یہ امید ہو سکے گی کہ ہم اپنی اور اپنے گردو پیش کی اصلاح کر سکیں۔ جب تک ہم اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوتے اُس وقت تک نہ ہم اپنے شیطان کو قتل کر سکتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کے کفر کو دور کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے میں نے جماعت کو توجہ دلائی تھی کہ ہر ایک جماعت میں سے ایک ایک آدمی یہاں آئے اور یہاں سے قرآن مجید پڑھ کر واپس جائے اور جا کر دوسروں کو پڑھائے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس طرف توجہ پیدا نہیں ہوئی۔ میں نے کہا ہوا ہے کہ ہر ناظر کا کام ہے کہ جب مَیں خطبہ میں کسی کام کی طرف توجہ دلاؤں تو جس صیغہ کے ساتھ اُس کام کا تعلق ہو اُس صیغہ کا ناظر اس کے مطابق کام شروع کر دے۔ لیکن محکمہ تعلیم نے سُستی کی ہے اور اِس کام کو شروع کرنے کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ پس نظارت تعلیم کو چاہیے کہ اس کام کے لئے وہ ایک مہینہ مقرر کرے۔ اور پھر جماعتوں میں اخبار کے ذریعہ اور مبلغوں اور انسپکٹروں کے ذریعہ تحریک کریں کہ اس مہینہ میں ہر ایک جماعت اپنا ایک ایک آدمی قرآن مجید پڑھنے کے لئے یہاں بھیجے۔ جو یہاں سے سارا قرآن مجید یا آدھا یا دس پارے پڑھ کر واپس چلے جائیں اور اپنے اپنے ہاں واپس جا کر دوسروں کو پڑھائیں اور ہر سال یہ سلسلہ جاری رہے۔ پھر مبلغوں اور بیت المال کے انسپکٹروں کا یہ کام ہو کہ جس جس جماعت میں وہ جائیں وہاں جا کر دیکھیں کہ جو آدمی یہاں سے پڑھ کر گئے تھے انہوں نے آگے کتنے آدمیوں کو قرآن مجید پڑھایا ہے۔ اگر اس سکیم پر عمل کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ چند سالوں کے اندر اندر ہماری جماعت کے لوگ قرآن مجید جاننے لگ جائیں گے اور جب وہ قرآن مجید جاننے لگ جائیں گے تو پھر ان کی تبلیغ بھی موثر ہو سکے گی اور

ان کے اپنے ایمان بھی کامل ہو سکیں گے۔

دوسری چیز جس کے متعلق مَیں نے اس جلسہ پر بھی اعلان کیا تھااور بعد میں خطبہ جمعہ میں بھی جماعت کو اس طرف توجہ دلائی تھی کہ علماء پیدا کرنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ کثرت کے ساتھ طالب علم مدرسہ احمدیہ میں داخل ہوں۔ اور میں نے بتایا تھا کہ یہ کام بہت اہم اور بہت لمبا ہے۔ اگر ایک مڈل پاس طالب علم آج مدرسہ احمدیہ میں داخل ہوتا ہے تو دس سال میں اس کی تعلیم مکمل ہو گی۔ گویا اگر ہم آج درخت لگائیں تو دس سال کے بعد ہمیں پہلا پھل ملے گا۔ اگر آج تین طالب علم مدرسہ احمدیہ میں داخل ہوں تو اس کے معنے ہیں کہ دس سال کے بعد ہمیں تین مبلغ ملنے کی امید ہو سکتی ہے۔ یہ کتنا ڈرنے کا مقام ہے اُس قوم کے لئے جو دس سال کے بعد تین مبلغ تیار کرے۔ وہ قوم تبلیغ نہیں کرتی بلکہ سُستی کر کے اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھودتی ہے۔ اگر آج دس طالب علم مدرسہ احمدیہ میں داخل ہوں تو دس سال کے بعد دس مبلغوں کے تیار ہونے کی امید ہو سکتی ہے اور آج سے بیس سال بعد سَو مبلغوں کے تیار ہونے کی امید ہو سکتی ہے۔ مگر ہمیں تو ہزاروں مبلغوں کی ضرورت ہے۔ بیس سال کے بعد سَو مبلغوں سے کام کس طرح ہو سکتا ہے۔ ہماری تو جماعتیں ہی کئی ہزار ہیں۔ ہندوستان میں آٹھ سَو سے اوپر تو ہماری انجمنیں ہی ہیں۔ اور ایک ایک انجمن میں کئی کئی گاؤں شامل ہیں۔ بعض انجمنیں ایسی ہیں جن میں پندرہ پندرہ بیس بیس گاؤں شامل ہیں۔ تو اگر ہم صرف احمدی گاؤں میں ہی مبلغ رکھیں تو ہزارہا گاؤں میں احمدی ہیں جن کے لئے ہمارے پاس ہزاروں مبلغ ہونے چاہئیں۔ اور پھر اس تعداد سے بہت زیادہ علاقے ہماری تبلیغ سے باہر رہ جائیں گے جہاں کوئی احمدی نہیں۔ تو یہ ہزاروں مبلغ تبھی پیدا ہو سکتے ہیں اگر ہم سو یا دو سو طالب علم ہر سال مدرسہ احمدیہ میں داخل کریں۔ اگر ایک سو طالب علم ہر سال مدرسہ احمدیہ میں داخل ہوں اور ان میں سے کوئی فیل نہ ہو، کوئی بیمار نہ ہو، کوئی تعلیم نہ چھوڑے اور سارے کے سارے پاس ہو جائیں تو پھر دس سال کے بعد ہمیں سَو مبلغ ملنے کی امید ہو سکتی ہے۔ اور بیس سال کے بعد ایک ہزار مبلغوں کی امید ہو سکتی ہے۔ میرا دل تو یہ قیاس کر کے بھی کانپ جاتا ہے کہ بیس سال کے بعد صرف ایک ہزار مبلغ تیار ہوں۔ کیونکہ بیس سال میں تو دنیا تہہ و بالا ہو جانے والی ہے۔ اور

ایسے ایسے عظیم الشان تغیرات پیدا ہونے والے ہیں کہ ہم میں سے جو اُس وقت زندہ ہوں گے وہ دیکھیں گے کہ آج سے بیس سال بعد دنیا بالکل بدلی ہوئی ہو گی۔ خدا اور خدا کے فرشتے ایک طرف ہیں اور شیطان اور شیطان کے لشکر دوسری طرف ہیں اور ان کے درمیان جنگ ہو رہی ہے۔ اور آج سے بیس سال بعد یا اسلام کی داغ بیل ڈالی جاچکی ہو گی (اِنْشَاءَ اللّٰہ) اور یا کفر اسلام کی جڑوں کو اکھاڑ کر پھینک چکا ہو گا (اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ) دہریت دوڑتی ہوئی دنیا میں پھیلتی جارہی ہے اور اس کے مقابلہ میں جس طرح ربڑ کو کھینچ کر چھوڑ دیں تو وہ سمٹ جاتی ہے اسلام پیچھے ہٹ رہا ہے۔ یہ درست ہے کہ اصل چیز تو آخری فیصلہ ہے اور آخری فیصلہ کے لئے لمبے عرصہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر جب کسی انسان پر غرغرہ اور نزع کی حالت طاری ہو جائے اور وہ اشاروں سے باتیں کرنے پر آجائے تو پھر اس کی زندگی قابلِ اعتبار نہیں ہوتی۔ پھر تو وہ آگے موت کی طرف ہی جاتا ہے۔ پس آخری فیصلہ کو جانے دو۔ اُس وقت تو تمام امیدیں ختم ہو جاتی ہیں اور تمام کوششیں بے کار ہوتی ہیں۔ انسان کی کوششیں تو اسی حالت میں کارآمد ہو سکتی ہیں جب اُسے حیات کی امید ہو اور وہ یہ سمجھ کر کام کرے کہ یا تو مَیں زندگی حاصل کر کے رہوں گا اور یا پھر مجھ پر موت آجائے گی۔

پس موت و حیات کی کشمکش میں کی ہوئی کوششیں ہی کار آمد ہو سکتی ہیں۔ اور وہ یہی چند سال ہیں اور ان چند سالوں کے اندر ایسے ایسے عظیم الشان تغیرات ہونے والے ہیں کہ اگر اس عرصہ کے اندر اندر ہماری طرف سے اسلام کو دنیا پر غالب کرنے کی پوری پوری کوشش نہ کی گئی تو اس کا نتیجہ ہمارے حق میں نہایت خطرناک ہو گا اور ہم آپ اپنی موت کو بلانے والے ہوں گے۔ پس اگر ہر سال ایک سو طالب علم مدرسہ احمدیہ میں داخل ہوں تو بیس سال کے بعد ہمیں ایک ہزار مبلغ ملنے کی امید ہو سکتی ہے جو قلیل ترین تعداد ہے۔ کیونکہ ساری دنیا میں تبلیغ کرنے کے لئے ہمیں ہزاروں مبلغوں کی ضرورت ہے۔ اور پھر یہ اندازے بھی تو صرف خیالی ہیں واقع میں تو ہمارے پاس ایک سو مبلغ بھی موجود نہیں۔ پچھلے سے پچھلے سال صرف تین طالب علم مدرسہ احمدیہ میں داخل ہوئے تھے اور پچھلے سال سات طالب علم داخل ہوئے تھے۔ ان تین تین اور سات سات لڑکوں کے داخل ہونے سے کیا بن سکتا ہے۔ اور تین تین یا

سات سات مبلغوں کے تیار ہونے سے ہم ساری دنیا میں کیا تبلیغ کر سکتے ہیں۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہماری جماعت کا بیشتر حصہ تبلیغ کو گداگروں، بھک منگوں اور بھوکوں کا کام سمجھتا ہے جن کو اور کوئی کام نہ ہو۔ اگر یہی سُستی رہی، اگر یہی غفلت رہی، اگر یہی افکار رہے کہ دین کے کام کرنا غریبوں کا کام ہے اور امراء دین کے کاموں سے غافل رہے تو یہ چیز خدا تعالیٰ کے عذاب کو بلانے کا موجب ہو گی۔ اور دنیا ختم نہیں ہو گی کہ کفار کو مارنے کی بجائے خدا تعالیٰ کے فرشتے پہلے ایسے لوگوں کو چُن چُن کر ماریں گے جو دین میں داخل ہوئے مگر پھر دین کی کوئی پرواہ نہ کی اور دین کی خدمت کے لئے کوئی کام نہ کیا۔

آخر تم کیا سمجھتے ہو کہ دین کی خدمت کا کام کس نے کرنا ہے۔ اگر تم اپنی آمدنی کا سولہواں حصہ دے کر یا دسواں حصہ دے کر یا پانچواں حصہ دے کر یہ سمجھتے ہو کہ تم نے دین کی خدمت کر لی تو یہ غلط خیال ہے۔ دین کے لئے تمہیں یہ چیز بھی دینی ہو گی اور اپنی جانیں بھی دینی ہوں گی۔ اور جانیں دینے کا بہترین طریق یہ ہے کہ اپنی اولادوں کو دین کی خدمت کے لئے پیش کرو۔ کیا یہ خدا سے مذاق نہیں کہ تم اس کے دین میں داخل ہو کر پھر دین کی خدمت سے جی چُراتے ہو اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہو۔ کیا تم خدا سے مذاق کر کے اس کے عذاب سے محفوظ رہ سکتے ہو؟ جب تم دنیا کے کسی بادشاہ سے مذاق کر کے اس کی سزا سے محفوظ نہیں رہ سکتے تو خدا تعالیٰ سے مذاق کر کے پھر تم اس کے عذاب سے کس طرح محفوظ رہ سکتے ہو۔ مگر یہ کتنا مذاق ہے کہ تم خدا کے دین میں داخل ہوتے ہو اور اس کے بعد دین کی خدمت سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہو۔

میں دیکھتا ہوں کہ تم میں سے کئی ایسے ہیں جو پہلے اپنے آپ کو وقف کرتے ہیں اور پھر بھاگ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جی! ہم نے غلط سمجھا تھا۔ ہمیں پتہ نہیں تھا کہ وقف کیا ہے۔ رات کو میرے پاس ایک شخص کا خط آیا جس میں اس نے لکھا ہے کہ مجھے پتہ نہیں تھا کہ وقف کرنے میں اتنی تنگی ہو گی۔ میں نے اس کا غلط مفہوم سمجھا تھا میں اپنا وقف واپس لیتا ہوں۔ حالانکہ وقف کرتے وقت جس فارم پر دستخط کئے جاتے ہیں اُس میں یہ سب باتیں لکھی ہوتی ہیں کہ میں ہر قسم کی تنگی اور ہر قسم کی تکلیف برداشت کروں گا اور گزارہ کے لئے جو کچھ

مجھے دیا جائے گا اسے میں انعام سمجھوں گا اور اسی میں گزارہ کروں گا۔ اور گزارہ نہ بھی ملے تب بھی اپنا پیٹ پالنے کے لئے خود کوئی انتظام کروں گا۔ اب یہ ایمان ہے یا بے ایمانی اور کفر ہے کہ پہلے ایک شخص اپنے آپ کو وقف کرتا ہے اور یہ عہد کرتا ہے کہ میں دین کی خاطر ہر طرح کی تکلیف برداشت کروں گا مگر پھر پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے۔ اور پھر یہ بھی کتنے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو وقف کیا ہے ان کی تعداد بھی تو تسلی بخش نہیں۔ ظفر کا ایک شعر ہے۔

عجب طرح کی ہوئی تسلی جو بار اپنا گدھوں پہ ڈالا

میں تو سمجھتا ہوں کہ یہی حال ہماری جماعت کے ایک حصہ کا ہے کہ وہ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ تبلیغ کرنا مبلغوں کا کام ہے۔ ہم اس کام سے آزاد ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ خدا تعالیٰ تم سے تمہاری جانوں کا مطالبہ کرتا ہے اور وہ اس صورت میں کہ اپنی اولادیں دین کی خاطر وقف کرو۔ اگر تم دین کے لئے اپنی اولادیں دینے کے لئے تیار نہیں ہو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری اولادیں شیطان کو دے دے گا۔ یاد رکھو دنیا میں کسی کی اولاد اُس کے پاس نہیں رہتی۔ اگر تمہاری اولاد خدا کی ہو کر نہیں رہے گی تو وہ شیطان کی ہو جائے گی، اگر تمہاری اولاد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے رستہ میں اپنی جانیں نہیں دے گی تو وہ ابلیس کے رستہ میں مرے گی (اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہ) مگر موت بہر حال ہر ایک پر آتی ہے۔

پس اب وقت آگیا ہے کہ ہماری جماعت کا ہر ایک فرد حالات پر غور کرے اور اس بات کی طرف توجہ کرے کہ ان میں سے جو بڑی عمر کے لوگ ہیں اور وہ نئے سرے سے تعلیم حاصل نہیں کر سکتے وہ کمائیں ان کے لئے جو پڑھتے ہیں۔ اور دوسرے جو پڑھے ہوئے ہیں وہ آگے آئیں اور اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لئے وقف کریں۔ اور دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہر سال کم از کم ایک سَو طالبعلم مدرسہ احمدیہ میں داخل ہوں تاکہ ہمیں ہزاروں کی تعداد میں مبلغ مل سکیں۔

میں نے اپنے خطبات میں بتایا ہے کہ ہمیں کئی قسم کے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ ہمیں ضرورت ہے عربی یا انگریزی کے گریجوایٹوں کی جو اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لئے وقف کریں اور دو تین سال میں ہم انہیں سلسلہ کے کاموں یا بیرونی تبلیغ کے لئے تیار کر سکیں۔

ہمیں ضرورت ہے مڈل پاس یا انٹرنس پاس طالب علموں کی جو فوراً سینکڑوں کی تعداد میں آکر مدرسہ احمدیہ میں داخل ہوں اور پھر آٹھ نو سال تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد بطور مبلغ کام کر سکیں۔ ہمیں ضرورت ہے ایسے نوجوانوں کی جو پرائمری پاس یا مڈل پاس ہوں اور ہم انہیں ایک دو سال میں موٹی موٹی تعلیم دے کر بطور دیہاتی مبلغ گاؤں میں مقرر کر سکیں۔ پس تین قسم کے آدمیوں کی ہمیں ضرورت ہے۔ ایک مڈل پاس طالب علموں کی جو کثرت سے آکر مدرسہ احمدیہ میں داخل ہوں۔ جن کا کام یہ ہو گا کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے عربی ممالک میں جا کر تبلیغ کریں گے۔ یا جہاں علمی لوگوں سے مقابلہ ہو گا وہاں جائیں گے۔ یا قادیان میں درس دیں گے اور نئی پود تیار کرنے کا کام کریں گے۔ دوسرے مڈل یا پرائمری پاس نوجوانوں کی ضرورت ہے جو ایک دو سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد بطور دیہاتی مبلغ کام کریں۔ اور تیسرے بعض جگہوں پر فوری طور پر مشن کھولنے کے لئے عربی اور انگریزی گریجوایٹوں کی ضرورت ہے کیونکہ اِس وقت لوگوں کے دل مصائب اور مشکلات کی وجہ سے غمزدہ ہیں اور وہ خدا تعالیٰ کی باتیں سُننے اور خدا کے دین کی طرف متوجہ ہونے کے لے تیار ہیں۔ اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ان جگہوں پر ہم فوری طور پر مشن کھولیں اوران کی اِس غم اور مصیبت کی حالت سے فائدہ اٹھائیں۔ اگر ہم نے اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا تو ہم خدا تعالیٰ کے جاں نثار سپاہی نہیں کہلا سکتے۔ غم اور مصیبت کی حالت میں ہی انسان خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور یہ غم کی حالت چار پانچ سال تک رہے گی۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد لوگ غم کو بھول جایا کرتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام انگریزی حکومت کی خوبیاں بیان فرماتے تو اس پر بعض معترضین اعتراض کیا کرتے تھے۔ اس کے جواب میں آپ فرمایا کرتے تھے کہ تم نے سکھاشاہی کے زمانہ کا قریب سے مطالعہ نہیں کیا کہ اس میں کس قسم کی مشکلات تھیں لیکن ہم نے اس زمانہ کے آثار کو دیکھا ہے گو اصل کو نہیں اس لئے ہمارے دل میں انگریزی حکومت کی قدر ہے۔ پس جن لوگوں نے موجودہ مشکلات اور غم نہیں دیکھے ہوں گے وہ اِس قسم کا درد اپنے اندر نہیں رکھتے ہوں گے جس قسم کا درد ان لوگوں کے دلوں میں ہو سکتا ہے

جنہوں نے ان مشکلات اور ان مصائب کو دیکھا ہے۔ پھر ان مصائب اور مشکلات دیکھنے والوں میں بھی بہت تھوڑا طبقہ ہوتا ہے جن کو وہ غم یاد رہتے ہیں۔ ہم نے کئی عورتوں کو اپنے خاوندوں کی وفات پر روتے اور سر پیٹتے بھی دیکھا ہے۔ اور پھر انہیں سنگار[2] کر کے خوشی خوشی دوسرے مرد کے گھر جاتے بھی دیکھا ہے۔ ہم نے عورتوں کو اپنے بچوں کی وفات پر پچھاڑیں [3] کھا کھا کر گرتے اور دیواروں کے ساتھ سر پٹکتے بھی دیکھا ہے اور پھر سال دو سال بعد ان کی یاد محو ہوتے بھی دیکھا ہے۔ ہم نے خاوندوں کو اپنی بیویوں کی وفات پر تڑپتے بھی دیکھا ہے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد انہیں عیش کے دوسرے سامان کرتے بھی دیکھا ہے۔ پس کچھ عرصہ کے بعد غم کی تصویریں دھندلی پڑ جاتی ہیں اور اس کے نقش مٹ جاتے ہیں۔ اگر ہم نے بھی اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا جبکہ لوگ غم اور مصیبت میں مبتلا ہیں تو پھر چار پانچ سال کے بعد اس قسم کے نقش دھندلے پڑ جائیں گے اور مصائب کی یاد ان کے دلوں سے محو ہو جائے گی۔

پس ضروری ہے کہ ہمارے پاس کافی آدمی تیار ہوں جن کے ذریعے ہم غیر ممالک میں فوراً تبلیغ پھیلا سکیں۔ اس کے لئے مولوی فاضلوں کی ضرورت ہے تاکہ ہم انہیں فوراً باہر بھجوا سکیں۔ اور پھر ہماری جماعت کا سب سے مقدم فرض تو یہ ہے۔ اپنے ہمسایوں سے ہمدردی کریں اور اپنے ملک میں تبلیغ کو وسیع کریں۔ اس کے لئے بڑی تعداد میں دیہاتی مبلغین کی ضرورت ہے۔ اور پھر اس بات کی ضرورت ہے کہ جماعت ہر سال ایک سو طالب علم مدرسہ احمدیہ کے لئے دے۔ اور جماعت کا فرض ہے کہ وہ اس خیال کو زندہ رکھے۔ میں دیکھتا ہوں کہ جماعت میں یہ کمزوری پائی جاتی ہے کہ روپیہ کے مقابلہ میں بھی اگر تعہد نہ کیا جائے تو ہماری جماعت کے لوگ سُستی کر جاتے ہیں۔ مثلاً تحریک جدید کے دس سالوں میں چندہ دینے کے بعد بعض تو ایسے ہیں جنہوں نے پہلے سالوں سے بھی زیادہ چندہ دینے کے وعدے کئے ہیں۔ اور کئی ایسے ہیں جو دس سال چندہ دینے کے بعد اب تھک کر حصہ لینا چھوڑ چکے ہیں۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ دراصل تو دس سالوں میں حصہ لینا ضروری تھا اب ضروری نہیں۔ حالانکہ خدا کے ہاں تو دس کا سوال ہی نہیں وہاں تو ضرورت کا سوال ہے۔ اگر ضرورت باقی ہے تو تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ

دیکھئے سرکار اس میں شرط یہ لکھی نہیں

اگر کوئی شخص خدا کے ساتھ شرطیں باندھتا ہے تو وہ عقل سے کام لیتا ہے عشق سے کام نہیں لیتا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس جب مدینہ سے وفد آیا کہ وہ آپ کو اپنے ہاں لے جائے تو حضرت عباسؓ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا تھے لیکن عمر کے لحاظ سے کوئی زیادہ فرق نہیں تھا وہ صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایک سال بڑے تھے مگر دنیوی تجربہ رکھتے تھے جب وہ وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آپ کو مدینہ لے جانے کے لئے آیا تو حضرت عباسؓ نے کہا۔ بھتیجے! تمہیں دنیا کا تجربہ نہیں مجھے ساتھ لے چلو اور ان لوگوں سے شرط طے کر لو کہ وہ تمہاری حفاظت کریں گے۔ چنانچہ وہ آپ کے ساتھ گئے اور اس وفد سے کہنے لگے کہ تم اِن کو یہاں سے لے جاتے ہو تو ان کے ساتھ عہد کرو کہ تم وہاں ان کی حفاظت کرو گے۔ اور اگر کوئی مدینہ میں ان پر حملہ کرے گا تو تم اس کا مقابلہ کرو گے۔ یہاں تو خواہ کچھ بھی ہو اور لوگ کتنی مخالفت کریں پھر بھی ہم ان کے پیچھے تو ہیں۔ اگر کسی کے دل میں ان پر حملہ کرنے کا خیال آتا ہے تو وہ ان کو بالکل اکیلا نہیں سمجھتا بلکہ اسے اس کے دس پندرہ رشتہ دار بھی نظر آتے ہیں مگر تمہارے علاقے میں تو یہ بالکل غیر ہو گا اس لئے تم عہد کرو اگر کوئی مدینہ میں اِن پر حملہ آور ہو گا تو تم اس کے ذمہ دار ہو گے اور دشمن کا مقابلہ کرو گے۔ چنانچہ انہوں نے عہد کیا کہ اگر کوئی مدینہ میں آپ پر حملہ کرے گا تو ہم مدینہ کے لوگ اپنی جانیں قربان کر کے آپ کی حفاظت کریں گے۔ اس معاہدہ کے بعد آپ خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق مدینہ تشریف لے گئے۔ 4

اس کے کچھ عرصہ بعد جب آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اطلاع ملی۔ اور خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم اپنے ساتھیوں کو لے کر مدینہ سے باہر جاؤ۔ تمہارے لئے ایک کام مقدر کیا ہے۔ چاہے کفار کا قافلہ تمہارے سامنے آئے اور چاہے کفار کے لشکر سے مقابلہ ہو۔ چونکہ کفار کے لشکر کے متعلق کمزور روایات تھیں جن کی بنا پر لشکر سے مقابلہ قطعی نہیں تھا اس لئے بیشتر صحابہؓ نے یہی سمجھا کہ قافلہ سے مقابلہ ہو گا جو کوئی مشکل نہیں اور جس کے لئے زیادہ آدمیوں کی ضرورت نہیں۔ اس لئے تھوڑے سے صحابہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے

ساتھ باہر آئے۔ مختلف روایتوں میں ان کی مختلف تعدادیں بیان ہوئی ہیں جو تین ساڑھے تین سو تک کی ہیں۔ ان میں سے جو مشہور روایت ہے وہ تین سو تیرہ کی ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ سے نکل کر تھوڑے فاصلہ پر گئے تو خدا تعالیٰ نے آپ کو قطعی علم دے دیا کہ مقابلہ لشکر سے ہی ہوگا قافلہ سے نہیں ہوگا۔ اور یہ علم خدا تعالیٰ نے مدینہ میں اس لئے نہ دیا تاکہ وہ مومنوں کی آزمائش کرے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان تمام صحابہؓ کو جمع کیا جو آپ کے ساتھ تھے اور آپ نے فرمایا اے لوگو! مجھے مشورہ دو کہ کیا کرنا چاہیے کیونکہ اب مقابلہ قافلہ سے نہیں ہوگا بلکہ دشمن کی فوج سامنے آئے گی۔ صحابہؓ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا یہ مشورہ دے رہے تھے کہ یارسول اللہ! اور کیا کرنا ہے ہم دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ لیکن جب ایک شخص مشورہ دے کر بیٹھتا تو آپؐ پھر فرماتے اے لوگو! مجھے مشورہ دو کیا کرنا چاہیے؟ جب دوسرا شخص مشورہ دے کر بیٹھتا تو آپ پھر فرماتے اے لوگو! مجھے مشورہ دو کیا کرنا چاہیے؟ اور جب تیسرا شخص مشورہ دے کر بیٹھتا تو آپ پھر فرماتے اے لوگو! مجھے مشورہ دو کیا کرنا چاہیے؟ اس پر ایک انصاری اٹھے اور انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! مشورہ تو آپ کو دیر سے مل رہا ہے لیکن آپ پھر بھی اس بات کو دُہرا رہے ہیں کہ اے لوگو! مجھے مشورہ دو میں کیا کروں۔ شاید اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ انصار مشورہ دیں۔ آپ نے فرمایا ہاں میری یہی مراد ہے، میں آپ سے مشورہ لینا چاہتا ہوں کہ کیا کرنا چاہیے۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ! ہم اس مصلحت کی بناء پر خاموش تھے کہ مکہ والے جن کے ساتھ مقابلہ ہے مہاجرین کے رشتہ دار ہیں ہمیں نہیں بولنا چاہیے شاید مہاجرین کو یہ بات بُری لگے۔ اس لئے یہ ان کا حق تھا کہ وہ مشورہ دیتے اور جو بھی وہ مشورہ دیں ہم تو آپ کے ساتھ ہی ہیں۔ پھر اس نے کہا یارسول اللہ! شاید آپ اُس معاہدہ کی وجہ سے ہم سے مشورہ پوچھ رہے ہیں جو مکہ کی وادی میں ہم نے آپ سے کیا تھا کہ اگر آپ پر مدینہ میں حملہ ہوگا تو ہم آپ کی حفاظت کریں گے اور مدینہ سے باہر کے ہم ذمہ دار نہیں ہوں گے۔ لیکن یارسول اللہ! اُس وقت ہمیں پتہ نہیں تھا کہ آپ کیا چیز ہیں اور ابھی آپ کی شان کا ہمیں علم نہیں ہوا تھا اور آپ کا مقام ہم پر نہیں کُھلا تھا۔ اس کے بعد جب آپ ہمارے اندر تشریف لائے تو پھر ہمیں آپ کے مقام اور

آپ کی شان کا علم ہوا تو یارسول اللہ ! اب وہ معاہدہ ختم ہو چکا۔ اب تو یہ سامنے سمندر رہے آپ حکم دیجئے کہ اپنے گھوڑے سمندر میں ڈال دو ہم بغیر چون وچرا کے اپنے گھوڑے سمندر میں ڈال دیں گے۔ 5 اور یارسول اللہ ! اگر دشمن مقابلہ پر آئے گا تو ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور آپ کے بائیں بھی لڑیں گے آپ کے آگے بھی لڑیں گے اور آپ کے پیچھے بھی لڑیں گے۔ اور دشمن اگر آپ تک پہنچے گا تو ہماری لاشوں کو روندتا ہوا ہی پہنچے گا اس کے بغیر نہیں پہنچ سکے گا۔ 6

تو دیکھو جہاں عشق ہوتا ہے وہاں اس بات کو نہیں دیکھا جاتا کہ ہم نے کیا شرط کی تھی بلکہ اِس بات کو دیکھا جاتا ہے کہ ہم نے وہ کام کر لیا ہے یا نہیں جو ہمارے سپرد کیا گیا تھا۔ پس کیا ان دس سالوں میں ہم نے روپیہ کے لحاظ سے یا آدمیوں کے لحاظ سے کام کر لیا ہے ؟ ہم نے معمولی سی تبلیغ کے لئے جس میں چند سو مبلغ ہوں تیرہ لاکھ روپیہ سالانہ خرچ کا اندازہ بتایا تھا اور ان دس سالوں میں کُل تیرہ چودہ لاکھ روپیہ چندہ جمع کیا ہے جس میں سے کچھ ساتھ کے ساتھ خرچ ہو چکا ہے۔ تو جہاں چند لاکھ روپیہ کا کُل ریزرو فنڈ ہو وہاں تبلیغ کی معمولی سے معمولی سکیم پر عمل کرنے کے لئے تیرہ لاکھ روپیہ سالانہ کہاں سے آئے گا؟ اگر پانچ فیصدی منافع کا اندازہ لگالیا جائے جو زیادہ سے زیادہ اندازہ ہے گورنمنٹ تو اپنے کاموں میں عام طور پر اڑھائی فیصدی منافع کا اندازہ لگایا کرتی ہے۔ لیکن اگر پانچ فیصدی منافع کا ہی اندازہ لگالیا جائے تو عام کاروباری اندازہ کے مطابق تیرہ لاکھ روپیہ سالانہ خرچ کے لئے پانچ کروڑ بیس لاکھ روپیہ کا ریزرو فنڈ ہو تو اس سے تیرہ لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی ہو سکتی ہے۔ اور پانچ فیصدی آمد رکھی جائے تب بھی اڑھائی کروڑ روپیہ سے یہ آمد پیدا ہو سکتی ہے۔ پس جب تک ہماری جماعت دین کی ہر ضرورت کے موقع پر اپنا روپیہ اور اپنی جانیں پیش نہیں کرتی اُس وقت تک اس کو کبھی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ خدا تعالیٰ کا کام تو ہو جائے گا لیکن ہم دین کی خدمت کا ثواب حاصل کرنے اور اپنے ایمانوں کا ثبوت دینے سے قاصر رہیں گے۔ پس ہماری جماعت کو چاہیے کہ اپنی ذمہ داریوں اور اپنے فرائض کو سمجھے۔ اور دین کے لئے جہاں مالی ضرورتوں کو پورا کرنے کا سوال ہو وہاں آگے بڑھ بڑھ کر اپنے اموال پیش کریں۔ اور جہاں جانی قربانی کا سوال ہو وہاں آگے بڑھ بڑھ کر اپنی

جائیں اور اپنی اولادیں دین کے لئے پیش کریں۔

میں نے گزشتہ سے گزشتہ جمعہ کے خطبہ میں یہ تحریک کی تھی کہ جن کے ہاں کوئی اولاد نہ ہو یا ان کی اولاد چھوٹی ہو یا صرف لڑکیاں ہی ہوں لڑکے نہ ہوں وہ کم از کم اتنا ہی کریں کہ تعلیم حاصل کرنے والوں کے لئے وظائف مقرر کریں۔ اس تحریک میں اِس وقت تک تین وظائف کے وعدے آچکے ہیں۔ بعض لوگوں نے دریافت کیا ہے کہ اگر کوئی غریب ہو اور وہ اکیلا وظیفہ کے لئے رقم نہ دے سکے تو کیا وہ اور لوگوں کے ساتھ مل کر دے سکتا ہے؟ تو اس کے متعلق بھی میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ ہاں اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ جو شخص اکیلا وظیفہ مقرر کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ دوسروں کے ساتھ مل کر اس میں حصہ لے سکتا ہے۔

اِس وقت تک تین وظائف کے وعدے آچکے ہیں۔ ایک تو میاں محمد احمد خاں صاحب جو میرے بھانجے ہیں انہوں نے ایک وظیفہ کے لئے نقد رقم جمع کرا دی ہے اور ایک وظیفہ دینے کے لئے چودھری ظفر اللہ خاں صاحب نے وعدہ کیا ہے اور انہوں نے دفتر محاسب کو لکھ دیا ہے کہ میری امانت میں سے یہ رقم ادا کر دی جائے۔ اور ایک میری بیٹی اور ان کے خاوند نے وعدہ کیا ہے وہ مجھے کہتے تھے کہ ہم اس میں حصہ لینا چاہتے ہیں۔ اور میں نے انہیں کہا تھا کہ دفتر میں لکھوا دو۔ غالباً انہوں نے لکھوا دیا ہو گا۔ میں نے یہ نیت کی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ زیادہ کی توفیق دے گا تو اس سے زیادہ دوں گا لیکن انشاء اللہ دس سال تک کم از کم پانچ طالبعلموں کا مَیں سالانہ وظیفہ دوں گا اور میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میں زندہ رہوں تو میں اس وعدہ کو پورا کرنے کا خود پابند رہوں گا اور اگر میں مر جاؤں تو میری جائیداد میں سے پہلے اِس رقم کو پورا کر لیا جائے اور بعد میں پھر وہ میرے ورثاء میں تقسیم ہو۔

میرا منشاء ہے کہ ہر سال چھ ہزار روپیہ مَیں داخل کرتا چلا جاؤں تا پہلے سالوں کی تعلیم پر جو کم رقم خرچ ہو گی اور بعد میں زیادہ خرچ ہو گی۔ پہلے وقت کا بچا ہوا روپیہ دوسرے وقت میں کام دے۔ یہ وعدہ دس سال میں پچاس طالبعلموں کو تعلیم دلانے کا ہوتا ہے جس پر قریباً ایک لاکھ روپیہ خرچ ہو گا۔ باقی میں نے اپنی اولاد اپنی طرف سے دین کے لئے وقف کی ہوئی ہے۔ آگے کام کا ثواب تو انہوں نے خدا سے ہی لینا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ

کس کو دین کی خدمت کا موقع ملے اور کس کو نہ ملے۔ میں نے بہر حال اپنی طرف سے انہیں دین کے لئے ہی وقف کیا ہوا ہے اور ان کو تعلیم دلانے میں بھی میں نے ہمیشہ اسی چیز کو مدنظر رکھا ہے۔ میں نے اپنی اولاد میں سے کبھی ایک بیٹے کو بھی خالصۃً اپنے لئے رکھنے کی خدا تعالیٰ سے درخواست نہیں کی۔ یہ سب اُسی کے دیئے ہوئے ہیں اور اُسی کی چیز ہیں۔ اُس کی مہربانی اور اُس کا احسان ہو گا تو ان کو اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرمالے گا۔ لیکن اگر وہ کسی کو اس کی غفلت کی وجہ سے رد کر دے تو میں بری الذّمہ ہوں۔ میں نے اپنے لئے ان کو لینے کی کبھی ضرورت نہیں سمجھی سوائے اس کے کہ اپنے گزارہ کے لئے باری باری کچھ عرصہ وہ جائیداد کا انتظام کریں تا دوسرے دین کا کام کر سکیں۔ اور وہ بھی دوسرے وقت میں دین کا کام کر سکیں۔

میرا تو عقیدہ ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی باقی اولاد بھی اگر اس پر غور کرے تو اسے سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے اتنے بڑے احسان کے بعد کہ شدید ترین گمراہی کے وقت میں اُس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہمارے خاندان میں سے مبعوث فرمایا۔ اس احسان کے بعد بھی اگر ہمارے اندر دنیا طلبی اور دین سے بے رغبتی پائی جائے تو ہم سے زیادہ بدقسمت اور کون ہو سکتا ہے۔ اس ایک احسان کے بدلہ اگر ہمارا سر قیامت تک خدا تعالیٰ کے آگے جھکا رہے تو ہم اس احسان کا بدلہ نہیں اُتار سکتے۔ یہ خدا تعالیٰ کا اتنا بڑا احسان ہے کہ اس سے بڑھ کر احسان ممکن ہی نہیں۔ میں سمجھتا ہوں اس احسان کو دیکھ کر اگر ہمارے خاندان کے لوگ ہی اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں تو چونکہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے وعدہ فرمایا ہے کہ تَرٰی نَسْلاً بَعِیْدًا۔7 یعنی تیری نسل دور دور تک پھیل جائے گی۔ اور جس طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا اسی طرح تیری نسل بھی اتنی زیادہ ہو گی کہ وہ گنی نہیں جائے گی۔ پس ہمارے خاندان ہی کے افراد اگر دین کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں تو تبلیغ اور مبلغوں کا سوال حل ہو جاتا ہے۔ مگر بہر حال کسی ایک شخص کے اپنے آپ کو پیش کر دینے سے دوسرے لوگ بری الذّمہ نہیں ہو سکتے۔ جب تک ساری جماعت اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لئے پیش نہیں کرتی اُس وقت تک جماعت بری الذّمہ

نہیں ہو سکتی۔ اور جب تک کوئی فرد اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لئے پیش نہیں کرتا۔ اُس وقت تک وہ فرد ہونے کے لحاظ سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ اگر جماعت کی اکثریت اپنی ذمہ داریاں اور اپنے فرائض ادا کرنے میں کوتاہی کرتی ہے تو وہ بلحاظ جماعت خدا تعالیٰ کے فضل کو جذب نہیں کر سکتی۔ اور اگر ایک فرد اپنی ذمہ داریاں اور اپنے فرائض نہیں سمجھتا تو وہ منفرد طور پر سزا کا مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے دلوں کو کھول دے اور ہمارے ایمانوں کو مضبوط کر دے۔ اور ہمیں اُس مقام پر کھڑا نہ کرے جہاں مجرم کو سزا دینے کے لئے کھڑا کیا جاتا ہے۔ بلکہ خدا تعالیٰ ہمیں اُس مقام پر کھڑا کرے جہاں خدمت گزار اور وفادار غلام کو انعام کے لئے کھڑا کیا جاتا ہے۔ آمین" (الفضل 23 جنوری 1945ء)

1: الفرقان:53

2: **سنگار:** سنگھار۔ زیب وزینت

3: پچھاڑیں کھانا: تڑپنا، صدمے اُٹھانا

4: سیرت ابن ہشام جلد2 صفحہ 84، 85۔ مطبوعہ مصر 1936ء

5: سیرت ابن ہشام جلد2 صفحہ 266، 267

6: بخاری کتاب المغازی باب قول اللہ تعالیٰ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ

7: تذکرہ صفحہ 185 ایڈیشن چہارم